رئیس احمد جعفری

تاثرات

تعمیرِ ملّی کا بنیادی پتھر!

کسی قوم اور ملت کی بنیاد اس وقت تک استوار نہیں ہو سکتی جب تک کامل طور پر اس میں فکری اتحاد نہ پایا جائے۔ درحقیقت فکری اتحاد ایک بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس اتحاد کے بغیر کوئی قوم دو قدم بھی آگے نہیں چل سکتی۔ ہاں رجعت اور پستی کی طرف اس کے قدم تیزی سے بڑھیں گے اور بڑھتے رہیں گے!

مسلمانانِ عالم میں عام طور پر اور پاکستان میں خاص طور پر یہ جوہر نایاب ہوتا جا رہا ہے، اور اگر یہ صورت حالات قائم رہی تو سمجھ لینا چاہیے کہ نہ ہمارا ملک ترقی کر سکتا ہے اور نہ قوم۔

جب تک پاکستان عالمِ وجود میں نہیں آیا تھا، لیکن اس کے لیے جد و جہد جاری تھی، اس وقت تک قائد اعظم کی بے پناہ شخصیت کے طفیل مسلمانوں میں فکری اتحاد موجود تھا۔ کوئی مسلمان خواہ کسی صوبہ سے تعلق رکھتا ہو، آہنگ و عمل اور فکر و خیال میں ایک دوسرے کا کامل طور پر ہم نوا تھا۔ یو۔ پی کے مسلمان ہوں یا بہار کے، بمبئی سے تعلق رکھتے ہوں یا مدراس سے، آسام ان کا وطن ہو یا سرحد، بنگال کی سرزمین پر پیدا ہوئے ہوں یا پنجاب کی۔ سی پی کی سرزمین سے وابستہ ہوں یا گجرات کی غرض کسی صوبہ اور کسی خطہ سے ان کا تعلق کیوں نہ ہو، مگر فکری طور پر وہ بالکل متحد تھے۔ ان میں کوئی ایسا اختلاف نہیں تھا جو ان کی سالمیت اور ملّیت میں ابتری پیدا کر سکتا ہو!

پاکستان قائم ہونے کے بعد بھی کچھ عرصہ تک یہ کیفیت قائم رہی۔ لیکن عرصہ کے بعد یہ حالات بدلنے لگے۔ رفتہ رفتہ فکری اتحاد پر دوسرے موثرات غالب آنے لگے اور اب یہ کیفیت ہے کہ وہ

موثرات بڑی حد تک اپنا قدم جما چکے ہیں اور فکری اتحاد تقریباً نابود ہو چکا ہے۔

وہ کونسی چیز ہے جس نے مسلمانوں کے فکری اتحاد کو درہم برہم کر کے رکھ دیا ہے؟ وہ چیز غلط قسم کی علاقائی عصبیت کے سوا کچھ اور نہیں۔ یہ مرض جیسے جیسے بڑھتا جائے گا ویسے ویسے مسلمان کمزور ہوتے جائیں گے۔ پاکستان علاقائی بنیادوں پر قائم نہیں ہوا تھا۔ وہ مسلمانوں کے لیے بنا تھا۔ ان آٹھ کروڑ مسلمانوں کے لیے جو آزاد فضا میں سانس لے کر اپنی تہذیب، اپنی معاشرت، اپنی ثقافت، اپنی حضارت اور اپنے مذہب کو ہر قسم کے گرد و غبار اور اثرات سے صاف رکھنا چاہتے تھے۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ اپنی قسمت کی خود تشکیل کریں۔ اپنی دنیا آپ تعمیر کریں، اپنے احوال و واقعات کا خود جائزہ لیں اور پھر جو طرز عمل اپنے لیے مناسب سمجھیں اسے اختیار کر لیں۔ مسلمانوں کی یہ تحریک تمام تر ایثار، اور بے نفسی پر مبنی تھی۔ کیونکہ اقلیت والے صوبوں کے مسلمان اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ انھیں بہر حال ہندو اکثریت کے ماتحت زندگی گذارنی ہے۔ لیکن یہ جاننے اور سمجھنے کے باوجود وہ پورے استقلال، جوش اور صداقت کے ساتھ مطالبۂ پاکستان کی ہم نوائی کرتے رہے۔ وہ جو کچھ سمجھ رہے تھے غلط نہیں سمجھ رہے تھے۔ آج ان کا خیال واقعہ کی صورت میں ان کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ لیکن وہ اب بھی خوش اور مطمئن ہیں

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

جو مسلمان حالات اور حوادث سے مجبور ہو کر یہاں آئے، وہ سندھ، سرحد، بنگال یا پنجاب میں رہنے کے لیے نہیں آئے، وہ پاکستان میں آئے۔ کوئی صوبہ ان کا وطن نہیں تھا۔ پاکستان ان کا وطن تھا۔ صرف پاکستان!

بالکل یہی کیفیت اکثریتی علاقوں کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ اس لیے جنگ آزادی کے میدان میں نہیں کو دے تھے کہ کسی علاقہ کی بالادستی تسلیم کرائیں۔ نہ اس لیے ایثار اور قربانی کا انھوں نے مظاہرہ کیا تھا کہ صوبائی حکومتوں کے ایک مجموعہ کو وفاق کا نام دیدیں۔ اور اس وفاق میں آ کر پھر حصۂ رسدی کا مطالبہ کریں۔ ہر علاقے کے مسلمانوں کی جنگ بھی صرف پاکستان کے لیے تھی۔ وہ پاکستان جہاں کامل

اسلامی مساوات ہوگی۔ جہاں قوم اور قبیلہ، صوبہ اور ضلع کا سوال کبھی نہیں پیدا ہوگا۔ اس لیے کہ ہر وہ شخص جو تحریکِ پاکستان سے وابستہ تھا اس حقیقت کا رمز شناس تھا کہ پاکستان مجموعۂ اقوام نہیں، وہ صرف اس لیے وجود میں آ رہا ہے کہ مسلمان قوم کو اپنے حفظ و بقا کے مواقع حاصل ہوں۔

لیکن بہت جلد یہ بات بھلا دی گئی اور صرف یہ یاد رہ گیا کہ ہمارا تعلق فلاں علاقے سے ہے اور اس بنیاد پر ہمیں یہ حقوق اور مراعات حاصل ہونے چاہئیں۔ آج سے بہت مدّت پہلے اقبال نے کہا تھا

اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے!

اور صاف الفاظ میں مسلمانوں کو بتا دیا تھا کہ

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبوی ہے!

لیکن آج ہم اقبال کو بھی بھول چکے ہیں، اور شاید اپنے تابناک ماضی کو بھی۔

پاکستان کے مسلمان نہ بنگالی ہیں نہ پنجابی۔ نہ بلوچستانی ہیں نہ سندھی۔ نہ سرحدی ہیں نہ مہاجر وہ صرف پاکستانی ہیں، اور ایک پاکستانی کی حیثیت سے ان کا فرض یہ نہیں ہے کہ وہ صوبائی تعصب کے شکار رہوں۔ یہ ہے کہ وہ اس تعصب کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں۔ جس چیز کو مٹانے اور برباد کرنے کے لیے اسلام عالم وجود میں آیا تھا، اس سے بڑھ کر بدقسمتی کیا ہو سکتی ہے کہ پاکستان میں اسی کو تازہ اور زندہ کرنے کی کوشش کی جائے؟ آج جس چیز کو حصولِ منفعت کا ذریعہ سمجھا جا رہا ہے کل یہی چیز مہلک اور تباہ کن ثابت ہوگی۔ آج بڑی آسانی سے جس مرض کا استیصال صرف پرہیز سے ہو سکتا ہے کل مزمن صورت اختیار کر لینے کے بعد تیر بہدف نسخے بھی اس مرض کے استیصال میں ناکام رہیں گے۔ بس وقت آگیا ہے کہ آج اور ابھی اصلاحِ احوال کی طرف توجّہ کی جائے ورنہ

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں!

موجودہ حکومت نے اس سلسلے میں خاصا کام کیا ہے، اور فکری ہم آہنگی کو سب چیزوں پر مقدم رکھا ہے۔ لیکن اب تک جو کام ہو چکا ہے وہ کافی نہیں ہے۔ اسے اور زیادہ آگے بڑھانے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔

فکری ہم آہنگی، ربط باہمی، اور ہر قسم کی عصبیت سے کنارہ کشی کی تحریک افراد و اشخاص کے چلائے نہیں چل سکتی۔ نہ قومی اور ملی جماعتیں اسے پورے طور پر کامیاب بنا سکتی ہیں۔ یہ مسئلہ اتنا اہم اور یہ کام اتنا بڑا ہے کہ حکومت کے وسیع ترین وسائل و ذرائع سے جب تک کام نہ لیا جائے اس وقت تک صحیح طور پر اسے کامیاب نہیں بنایا جا سکتا۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حکومت کی ذمے داریاں گراں بار اور وسیع ہیں، ان سے عہدہ برآ ہونے میں اسے بہت سی کٹھنائیاں جھیلنا پڑتی ہیں لیکن اثرات و نتائج کے اعتبار سے یہ کام بھی بے حد اہم ہے اور ضرورت ہے کہ اسے اوّلیں حیثیت دے کر حکومت اپنی پوری توجہ اس طرف مبذول کرے ——— گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں!